اخلاق

امام صادق علیہ السلام کی نگاہوں میں

حجۃ الاسلام جناب محمد امین زین الدین صاحب
ترجمہ۔ جناب مولانا ممتاز علی صاحب

فکر کے لئے نقد ونظر اور بیان کے لئے توضیح اور تصویر کشی لازمی ہے لیکن حق کے لئے ان دونوں سے بالاتر ایک حکومت عادلہ ہوتی ہے جو صاحب بصیرت کو نور ہدایت اور دلیل و حجت عطا کرتی ہے لیکن کسی بھی مصنف پر تصویر کشی سے پہلے فکر ونظر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قلم کار جب انسانیت کی کسی عظیم شخصیت پر قلم اُٹھاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت نظر کو گہرائیوں تک لے جائے اور اس سے پہلے صحیح علم سے رہنمائی حاصل کرے اور دلیل حق قائم کرلے خصوصاً ایسی شخصیتوں پر قلم اٹھانے سے پہلے بڑی زحمت ہوتی ہے جو تاریخ کا معجزہ ہیں۔۔۔۔ جیسے امام جعفر صادق علیہ السلام۔۔۔۔۔۔ ایسے موقع پر اگر علم صحیح انسان کی رہنمائی نہ کرے تو بہت سے رموز واسرار سدّ راہ ہوسکتے ہیں۔

جب میں نے امام جعفر صادقؑ پر قلم اُٹھانے کی کوشش کی تو مجھے عجیب سا محسوس ہوا، معلوم ہوتا تھا جیسے قلم ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور الفاظ ہونٹوں پر دم توڑ دیں گے۔ جب غیر محدود وآفاق میں محدود فکر بشر پرواز کی کوشش کرتی ہے تو ایسی ہی کمزوریاں اس کے آڑے آتی ہیں جب مصوّر لامتناہی شعاعوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ فکر بشر اس بات کی تعیین نہیں کرپاتی کہ غیر محدود آفاق سے کسی چیز کو تجزیہ وتحلیل کے لئے مخصوص کرے۔ مصوّر سوچنے لگتا ہے کہ ان شعاؤں میں سے کن کرنوں کو چن لیا جائے جس سے ایک منفرد تصویر ابھر کر سامنے آسکے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہی کیفیت میری بھی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ امام جعفر صادقؑ کی لامحدود شخصیت کا کون سا گوشہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں، اس لئے کہ آپ کی زندگی کا ہر حصہ لائق توجہ اور ہر رخ تجزیہ وتحلیل کے قابل ہے۔ آپؑ کی زندگی کا ہر گوشہ علم اور ہر خاصیت اپنی جگہ خود ایک اعجاز ہے۔

علم اخلاق وہ علم ہے جو نفس بشر کے کمالات کو ابھارتا ہے۔ عقل انسانی کی قوت واستقلال میں اضافہ اور اس کی دست گیری کرتا ہے، جب وہ کمزور ہونے لگتی ہے تو اس کو قوت وطاقت عطا کرتا ہے علم اخلاق ایک ۔۔۔۔ پیغام عام ۔۔۔ ہے اور ہر انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اس پیغام کو

دوسروں تک پہنچائے۔

علم اخلاق ایک عظیم امانت ہے اور اس امانت کو ایک عاقل کا دوسرے عاقل تک منتقل کرنا ضروری ہے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سلسلے میں گفتگو کرنے کے لئے علم اخلاق کے موضوع کو اختیار کیا ہے۔ یوں تو آپ کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں ہے جو ممتاز نہ ہو لیکن علم اخلاق کو خصوصی عنایت حاصل ہے اور یہی مخصوص عنایت میری توجہ کا مرکز بنی اسی عنایت کی وجہ سے آپ سے نقل ہونے والا ہر لفظ اور آپ کی طرف منسوب ہر حدیث علم اخلاق پر ایک اچھا اثر مرتب کرتی ہے۔

ہم نے اس موجودہ بحث میں خود امام علیہ السلام کے اخلاق کو موضوع نہیں بنایا ہے۔ اس لئے کہ یہ موضوع تو اس کا ہے جو خود امام علیہ السلام کی عظمت و شخصیت پر گفتگو کرنا چاہے۔ لیکن جو صرف ان کی علمی عظمت بیان کرنا چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے وہ اس بات کو موضوع بنائے کہ۔۔۔۔ اخلاق کی حیثیت امامؑ کی نظر میں کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔؟ یہ اور بات ہے کہ اخلاق کا اس حیثیت سے جائزہ لینے کے بعد اکثر مقامات پر آپ کی عظمت خود بخود اُبھر کر سامنے آ جائے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اخلاق کے سلسلے میں فلسفیوں کے کلام سے استفادہ نہیں کیا ہے، بلکہ آپ کے کلام کا سرچشمہ وحی اور قرآن ہے۔ حقیقی فلسفہ و حکمت کی باتیں تو اصل میں قرآن اور ارشادات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی ضیا پاشی کا نتیجہ ہیں۔ جو شخصیتیں شبستان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زندگی گذاریں اور ارشادات پیغمبرؐ کی چھاؤں میں جن کا اُٹھنا بیٹھنا ہو وہ ارسطو اور افلاطون جیسے فلسفیوں کے افکار سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ انہیں فکر کے تانہ بانہ میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ اسی گھرانے کی خصوصیت ہے کہ ایک ہی طرح کی حدیثیں اکثر اماموں سے لفظی اور معنوی حیثیت سے مروی ہیں اور بعینہ وہی بات پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کہی ہے ایسا لگتا ہے جیسے سب ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔

اخلاق انسانیت کا ایک اہم ترین رخ ہے جس کی طرف بار بار دین اسلام نے متوجہ کیا ہے، نیز اخلاق انسانی استوار کرنے کے لئے بڑے اہتمام سے کام لیا ہے۔ قرآن اور حدیثوں کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام نے اخلاقیات کے اوپر کتنا زور دیا ہے۔ یہ دین اسلام کی وہ خصوصیت ہے جو اس کو دوسرے تمام ادیان سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ اس کی بقا کی بھی ضامن ہے۔

جب اخلاق غلط ماحول اور تربیت کی وجہ سے تباہ ہونے لگیں، جب انسانی عادتیں بگڑنے لگیں، جب امراض روحانی قوم کی معنویت کو نقصان پہونچانے لگیں اور خیر و سعادت پر اثر انداز ہو تو دین اور مصلح کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کے اخلاقی نقائص کو دور کرے اور انسانی نفس میں جو خلاء اس مرض کی بنا پر پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی نشان دہی کرتے ہوئے اس وبائی مرض کو رفع کرے تا کہ وہ فرد قوم کا ایک صالح جزو بن کر ایک ایسا بہترین معاشرہ تشکیل دینے میں معاون ہو جو خیر کے راستہ کی طرف گامزن ہو جائے۔

اسلام ایک فردی اجتماعی دین ہے۔ نبی اسلام جس

طرح معاشرہ کی سعادت اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح وہ فرد کی سعادت اور اصلاح کا بھی ضامن ہے۔ وہ صرف سماجی کی تنظیم کی کوشش نہیں کرتا بلکہ فرد کو بھی مہذب بنانے کے اصول بتاتا ہے چوں کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرد کا صالح ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے دین اسلام نے فرد کی سعادت کا جو اہتمام کیا ہے اس کے دو رخ رکھے ہیں۔

ایک جانب تو وہ افراد کی سعادت کا اہتمام اس انداز سے کرتا ہے کہ اس پر چل کر ہر فرد ذاتی طور پر منزل کمال تک پہونچ سکے۔

اس اہتمام کا دوسرا رخ یہ ہے کہ فرد فقط اپنی ذات تک اس کمال کو محدود نہ رکھے بلکہ ایک صالح معاشرہ بنانے میں معاون ثابت ہو۔۔۔۔۔لہٰذا دین اسلام کو ''دین اخلاق'' کہنا نہایت ہی موزوں ہے اور اس کے رہبروں کے لئے بھی لازم ہے کہ ان میں روح اخلاق موجود ہو۔۔۔۔امام جعفر صادق علیہ السلام ان ہی رہبروں میں سے ایک رہبر تھے۔

فلسفہ اخلاق یوں تو قدیم تہذیب کی میراث کا ایک جزو ہے۔ اور انسانوں نے جب بھی وجود کے فلسفہ پر بحث کی ہے تو فسلفہ اخلاق کو بھی موضوع گفتگو بنایا ہے۔ چوں کہ انسان اس بات کو جانتا تھا کہ نفس بشری وجود کی ایک اہم فرد ہے اور اخلاق نفس، بشر کے عظیم اجزاء اور خواص ہیں لہٰذا اس نے بحث اخلاق میں ایک طویل مدت تک بڑی کوشش کی ہے اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا ہے۔

لیکن جب ہم عرب کے جاہلی دور کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس فلسفہ کو سننے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ فلسفۂ اخلاق صرف چند فلسفیوں کی میراث اور چند شعراء کے افکار کی زینت بنا رہا۔

لیکن دین اسلام جس نے ان ہی عربوں کے درمیان نشو ونما پائی اور حضرت رسول اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی تعلیمات کو پیش فرماتے رہے۔ اس نے علم اخلاق کو کئی جہتوں سے پیش کیا اور اس کے کچھ قواعد وضوابط بھی مقرر کئے، ایسے قواعد جو مختلف زمان ومکان کے لئے مفید ثابت ہوں۔

اسلام نے علم اخلاق کو اس خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے کہ عرب کی جاہلی قوموں نے بھی اس کو مطابق فطرت پایا اور فلسفیوں کو بھی اس میں دلیل و برہان کی جھلک نظر آئی دین اسلام کی تمام باتیں عین فطرت اور مطابق دلیل و برہان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا سرچشمہ وحی سماوی ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں پایا جاتا۔

علم اخلاق انسان کے کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ عام انسانی حق ہے اس کے نظام وقواعد اسی بنیاد پر بنائے گئے ہیں کہ اس سے تمام انسان برابر سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ جب تک انسانوں میں تربیت نفس کا ملکہ باقی رہے گا تب تک وہ فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ عام انسانوں کو علم اخلاق کی بے حد ضرورت ہے اس لئے کہ اخلاقی امراض لوگوں میں بہت ہیں اور مریض کو طبیب سے زیادہ دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔

عوام غیر مانوس اصطلاحوں اور دور از فہم عبارتوں کو سمجھنے

کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے امامؑ پر لازم تھا کہ وہ ان کی فہم وفراست کے مطابق توضیح فرماتے۔ لہٰذا اور دوسرے افراد نے جو علم اخلاق کے مطالب پیش کئے ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ واضح اور روشن انداز امام علیہ السلام کا ہے اس لئے کہ وحی الٰہی نے ائمہ کو ان تمام بحثوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔

شیعہ علمائے حدیث کو ہمیشہ سے اپنے ائمہ کے چھوٹے بڑے اقوال وارشادات کو جو ''فقہ'' جعفری یا دوسرے موضوعات سے متعلق رہے ہیں، جمع کرنے کا بے حد شوق رہا ہے اس شوق کے نتیجے میں بڑی بڑی کتابیں وجود میں آئیں اخلاقیات امام جعفر صادق علیہ السلام ان میں سے اس کا ایک حصہ ہے۔

اس تدوین اخلاق کے سلسلے میں شیعوں کو امتیاز حاصل رہا ہے یہ امتیاز اس لئے نہیں تھا کہ ائمہ کے نصائح شیعوں کے لئے مخصوص تھے بلکہ یہ امتیاز انہیں اس لئے حاصل ہے کہ انھوں نے بڑے اہتمام سے ائمہ کے آثار کو جمع کیا ہے۔ اگر چہ امام کی نظر میں چند ہی شیعہ ایسے تھے جن کو نصیحت کرنا واجب تھا۔ لیکن ہمارے ائمہ کی خیر واصلاح سے محبت یہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اگر ان کی نصیحت فائدہ پہونچا رہی ہے تو اسے روک دیا جائے۔ سفیان بن سعید ثوری اور اس کے ساتھیوں کو جو امامؑ نے اخلاق کی تعلیم دی ہے وہ ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا:

''خَیرُ الناس مَنِ انتَفَعَ بِهِ النّاس''

(لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔)

اور آپ ہی نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث پیش فرمائی:

''مَن لَم یُهتَم بِامورِ المسلمین فَلَیسَ مِنهم''

(جو مسلمانوں کے امور کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔)

شیعوں کو اس وجہ سے امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے ائمہ کی تعلیمات کو دسروں سے زیادہ سننے والے اور ان کے اقوال کو جمع کرنے والے ہیں اور امام علیہ السلام کی اخلاقی تربیت کے ضامن اور ان کے مذہب کے قائد ورہبر ہیں۔

اخلاقیات امام جعفر صادق علیہ السلام کے لعل وگہر حدیث واخلاق کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں فقط ڈھونڈ ھنے والی نگاہ چاہئے۔ یوں تو کوئی مستقل کتاب اخلاق امام جعفر صادقؑ کے نام سے نہیں ہے۔ بشرطیکہ ''مصباح الشریعۃ'' کو مستثنیٰ کر دیا جائے اس لئے کہ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے پھر بھی ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں یکجا کر دیا جائے تو یہ اخلاق کا ایک بہترین گلدستہ بن سکتا ہے۔

''مصباح الشریعۃ'' کے بارے میں ناقدین علم حدیث نے شک وشبہہ اور تردد کا اظہار فرمایا ہے ہم اس قول کے اثبات یا نفی کے سلسلے میں یہاں بحث نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ اس طرح کی بحثیں دوسری کتابوں کا حصہ ہیں۔ احادیث اخلاق وسنن توثیق کی محتاج نہیں

ہیں۔ ''مصباح الشریعۃ'' پر بہت سے علماء نے اعتماد بھی کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کو معتبر جانا ہے اتنا ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے۔''

خلق

خلق کے لغوی معنی عادت، دین اور مروت کے ہیں۔ اہل لغت نے الگ الگ ہر معنی کے لئے اقوال عرب سے شواہد پیش کئے ہیں۔۔۔۔۔ یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں۔ لیکن شاید لغت میں یہ لفظ ایک ہی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور بقیہ معانی اسی کے متبادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علمائے اخلاق ''خلق'' کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خلق نفس کا ایک ملکہ ہے جب انسان سے بغیر غور وکفر کے افعال صادر ہوتے ہیں تو یہ ملکہ ابھر کر سامنے آتا ہے اس ملکہ کی یہی خاصیت بھی ہے۔ یہ ملکہ اپنی اسی خاصیت کی بنا پر مشخص ہوتا ہے۔

بعض علمائے اخلاق کہتے ہیں کہ ''الخلق صورة الارادہ'' (الخلق الکامل، جزاول ص۔۵۱) خلق ''صورت'' ارادہ کا نام ہے شاید یہ علما اس تعریف کے ذریعہ مزید وضاحت کے ساتھ خلق کے مفہوم کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال خلق کی یہ دوسری تعریف ایک طویل شرح چاہتی ہے۔۔۔۔ لیکن اگر لفظ ''صورۃ'' سے مراد وہ ملکہ ہو جو نفس کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے اور عمل کے وقت ارادہ کا پابند ہوتا ہے تو پھر دونوں تعریفوں میں اختلاف نہیں رہ جائے گا۔

انسان کے نفس میں بہت سے صفات پائے جاتے ہیں جیسے وفا، صدق، سخاوت، شجاعت وغیرہ یہی صفات انسان کے بہت سے افعال واعمال کا مصدر ہیں۔ ان ہی نفسانی صفات کا نام اخلاق ہے۔

علماء اخلاق پہلی منزل میں نفس کی ان ہی صفات سے اس حیثیت سے بحث کرتے ہیں کہ یہ صفات معتدل اور غیر معتدل دونوں ہوسکتی ہیں نیز ان میں تبدیلی بھی پائی جاتی ہے لیکن وہ افعال جو انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے انجام دیتا ہے جسے عقلاء خیر اور شر کہتے ہیں۔ اس کو علماء اخلاق ''سلوک'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسری منزل خیر وشر سے اس حیثیت سے بحث کرتے ہیں کہ یہ باطنی اخلاق کا ظاہری مظہر ہیں۔ اس لئے کہ عمل انسانی نفس کی صفت کو اگر وہ منحرف ہے تو مہذب بناتا ہے اور اگر مہذب ہے تو یہ عمل اسے منحرف بھی کرسکتا ہے۔

اس لئے ہم اختیاری عمل کو اس عمل کا موضوع نہیں قرار دے سکتے۔ اس لئے کہ یہ رائے اصول علم سے متفق نہیں ہے۔ اگر چہ احمد امین صاحب نے اس رائے پر بہت اصرار کیا ہے اور اس کی بڑی طویل شرح بھی فرمائی ہے۔

اس علم کا موضوع ہی ''خلق'' ہے۔ خلق نفس کی صفت ہے نفس کے عمل کا نام خلق نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عمل اختیاری اس کے خارجی مظہر ہیں۔

اخلاق نہ تو کسی تصادم وتصادف کی پیداوار ہے اور نہ یہ کوئی اتفاقی نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ اخلاق ایک ملکہ ہے اور ملکہ کے لئے بنیاد کا ہونا ضروری ہے جس طرح کسی عمارت کے لئے بنیاد لازمی ہے۔ اخلاق کی بنیاد طبعیت وسرشت، وراثت، تربیت اور عادت ہے۔ قدیم فلسفیوں کا یہ قول کہ:

''جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کا نفس۔۔کورے کاغذ کی طرح صاف ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کے منشاء کے مطابق تصویریں ابھرتی رہتی ہیں''۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کا ذہن ایک آئینہ کی طرح ہوتا ہے جس میں بہت تیزی سے اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ جن چیزوں کو دیکھتا ہے ان سے متاثر ہونے لگتا ہے اور ہر نئی چیز اس کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی ہے۔۔۔۔''کورے کاغذ'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فطری اور موروثی طبیعتوں سے عاری ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں تو اس کے اندر پائی ہی جاتی ہیں۔بس اخلاقی ملکہ سے اس کا نفس خالی ہوتا ہے۔مربی اس کو صرف اخلاق سے آراستہ کرتا ہے۔اس کے اندر فطرت وسرشت کو ایجاد نہیں کرتا۔اس مقام پر پہونچ کر وہ ان لوگوں کی رد بھی اپنے اسی قول سے کرتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ''انسان فطرتاً فاعل خیر ہے'' اور جو یہ کہتے ہیں کہ ''انسان جبلّت کے اعتبار سے شریر ہے۔''

اس جگہ ہم جناب احمد امین کے ان اقوال کو ترک کرتے ہیں جو انھوں نے علمائے اخلاق کے اس قول کی تفسیر میں پیش کئے ہیں۔

لیکن وہ قانون وراثت جس کی طرف موصوف نے اشارہ فرمایا ہے اور جس کے ذریعہ انھوں نے مذکورہ بالا نظریہ کی تردید کی ہے۔اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بچہ اپنے اسلاف کے اخلاق کا وارث ہوتا ہے، اس سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ بچہ کے اندر فطری اور موروثی طور پر ابتدائی اور بنیادی اخلاق ضد پایا جاتا ہے۔فسلفہ قدیم بھی اس کا منکر نہیں ہے۔قدیم شریعتیں اور قدیم عربی ادب بھی اس کا اعتراف کرتا ہے۔

اخلاق انسانی کی تشکیل میں اسی بنیاد کا اثر ایک نہج پر نہیں ہے اس لئے کہ طبائع ،میلانات اور رغبتوں کے اعتبار سے مختلف شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔طبعیت موروثی ہوتی ہے۔۔۔۔۔تربیت ارادۂ عمل کے وقت نفس کو متوجہ کرتی ہے۔۔۔۔۔۔اور عادت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ رونما ہونے والی صفت، نفس میں جم کر اخلاق کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اس طرح مبادی اخلاق کی دو قسمیں ہوئیں ۔۔۔۔۔۔اختیاری اور۔۔۔۔۔۔اضطراری۔

۱۔ اختیاری مبادیات اخلاق انسان کے ارادہ واختیار کے محتاج ہوتے ہیں۔۔۔اختیاری کی صفت میں ''عادت'' اور ''تربیت'' کی بعض چیزیں آتی ہیں۔جیسے مدرسہ، اسکول اور دوست واحباب۔

۲۔ اضطراری مبادیات اخلاق کے وجود میں ارادہ واختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس خود ان کا اثر انسان کے ارادہ پر ضرور پڑتا ہے۔ اس صف میں طبعیت ووراثت اور تربیت کی دوسری چیزیں شامل ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اس کی تصریح کی ہے آپ فرماتے ہیں''**ان الخلق منحة یمنحها الله فمنه سجية ومنه نية**'' اخلاق خدا کا عطیہ ہیں اس میں سے کچھ ''**سجية**'' (طبعیت وعادت) ہیں اور کچھ کا نام ارادہ ہے۔ اس حدیث کے بقیہ حصے میں ''**سجية**'' کا مطلب جبلّت بیان کیا گیا ہے۔ **صاحب السجية هو مجبولٌ**

لایستطیع غیرہ وصاحب النیة یصبر علی الطاعة تصبر اًفھو افضلھا۔ (کافی۔حدیث/۴ باب الکلام)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جبلت جس چیز کی طرف دعوت دیتی ہے اور فطرت جس چیز پر ابھارتی ہے وہ اخلاق حسن ہے۔ یہ چیز مشق سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اور کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں جو انسان کے میلان ورجحان اور رغبت کے خلاف ہوتی ہیں ایسی چیزیں مجاہدۂ نفس اور مشق سے حاصل ہوتی ہیں یہ دوسری قسم زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

جب ہم نے مذکورہ بالا اصول پر غور کیا تو پتا چلا کہ عادت اپنی خصوصیت میں منفرد ہے۔ عادت اخلاق کی تشکیل میں مستقل حیثیت رکھتی ہے یہ استقلال طباع وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اخلاق نام ہے ملکہ کا۔ اور نفس میں ملکہ بغیر تکرار عمل کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انسانی طبیعت اور موروثی صفات اخلاق کی تعمیر میں عادت کی محتاج ہیں۔ عادت کو انسان کی ہر صفت کے بدل دینے میں قدرت حاصل ہے۔ اور عقل کو طبائع کی درستگی میں دخل حاصل ہے اس لئے کہ عقل کے اندر عادت کو سدھارنے اور سنوارنے کی قدرت موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس مفہوم کی مندرجہ ذیل الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''ماضعف بدن عمّا قویت علیہ نیتہ''

اس کا بدن کمزور نہیں جس کی نیت یعنی عزم مستحکم ہے۔

طبائع نفسانی کو راہ راست پر لانا جہاد ہے۔ موروثی عادات سے چھٹکارا پانا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ یہ مشکل اس وقت آسان ہوجاتی ہے جب انسان کا ارادہ (نیت) قوی ہو لیکن اگر ارادہ کمزور ہے تو آدمی اپنے اندر خوبیاں نہیں پیدا کرسکتا۔

دوسرے مقام پر صادق آل محمدؑ ارشاد فرماتے ہیں:

''ان اللہ ارتضیٰ دیناً فاحسنوا صحبة بالسخاو حسن الخلق'' (وسائل کتاب الجہاد)

اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا تم سخاوت اور حسن اخلاق کے ذریعہ اپنے اسلام کو اور جلا بخشو۔

یہ اللہ کا احسان وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے دین اسلام کو منتخب فرمایا۔ یہ دین دنیا وآخرت دونوں ہی میں کامیابی کا ضامن ہے لہٰذا بندوں پر واجب ہے کہ وہ برے اخلاق کا مقابلہ کریں اس لئے کہ برے اخلاق پر باقی رہنا اسلامی تقدس کے خلاف ہے۔ حضرتؑ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ تہذیب اخلاق اگرچہ جہاد (اکبر) ہے۔ لیکن حدود امکان سے باہر نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک دوسری حدیث بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کی ملتی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: **''من اساء خلقه عذب نفسه''** جس کا اخلاق بگڑ جائے اس کا نفس عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بدخلقی ایک عذاب ہے جو انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے مہیا کرتا ہے۔ یہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس سے ہر عاقل کا بچنا لازمی ہے۔۔۔عذاب ان معنوں میں ہے کہ یہ نفس کی کمزوری

اور چراغ عقل کے گل ہوجانے کا سبب ہے۔ عذاب اس لئے ہے کہ یہ انسانیت کے لئے نقص ہے توازن اور اعتدال کو ختم کر دیتا ہے۔ اس عذاب کو انسان اپنا لیتا ہے اور اسی میں مبتلا رہتا ہے۔ امام علیہ السلام مذکورہ حدیث کے ذریعہ انسان کے ارادہ کو ایک ایسا ہتھیار سپرد کر دینا چاہتے ہیں جس سے کام لے کر صفات رذیلہ سے دور رہا جاسکے اور نقائص وعیوب سے مقابلہ کیا جاسکے۔

بعض علماء اخلاق تصور کرتے ہیں کہ اخلاق خود نفس کی پیداوار ہے جو تغیر وتبدل یا تہذیب واصلاح کو قبول نہیں کرتا۔ عقل کا اس پر کوئی زور نہیں ہے اور نہ ارادہ کے ذریعہ اس میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک باطل نظریہ ہے جو سیاست کی بنیادوں کو ڈھا دیتا ہے اور شریعت کے فائدہ کو لغو اور نظم اخلاق کو باطل کر دیتا ہے۔ اور یہی باتیں اس نظریہ کے باطل ہونے کے لئے کافی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول ''**صاحب السجیة هو مجبولٌ لایستطیع غیره۔** کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اخلاق کو سدھارا نہیں جاسکتا بلکہ اس کا مفہوم فقط یہ ہے کہ اخلاق کی تشکیل عادتوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انسان کے لئے زیادہ دشواری اس وقت ہوتی ہے جب (برے) اخلاق کو جنم دینے میں طبعیت اور عادت دونوں مدد کریں۔ جب طبعی میلانات کا ساتھ ارادہ بھی دینے لگتا ہے تو عمل میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے اور عمل کی تکرار عادت کا روپ اختیار کر لیتی ہے پھر اسی سے (برے) اخلاق کی بنیاد پڑتی ہے پھر بھی اگر اس کا دفاع کیا جائے اور عادت سدھارنے کی کوشش کی جائے تو اس میں درست ہونے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ عادت کو بدلنا آسان ہے مگر بگڑی ہوئی طبعیت میں اعتدال پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔

اسی کو اہل بیت علیہم السلام نے جہاد کے نام سے تعبیر کیا ہے اور سے جہاد کہنا بحق بجانب بھی ہے۔ اخلاق کو درست کر لینا مجاہد کی ہوشیاری کی دلیل ہے اس میدان میں غالب آنے والے کے لئے وہی اجر ہے جو ایک مجاہد کا اجر ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ نے کسی جہاد کی واپسی پر فرمایا تھا:

مرحباً بقوم قضو الجهاد الاصغر وبقی علیهم الجهاد الاکبر۔

مرحبا ہو اس قوم پر جو جہاد اصغر سے پلٹ کر آرہی ہے لیکن ابھی جہاد اکبر باقی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ:

جہاد اکبر جہاد نفس کو کہتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

واجعل نفسک عدوّاً تجاهده۔

تم اپنے نفس کو اس دشمن کی طرح سمجھو جس سے تم جہاد کر رہے ہو۔

نفس سے مراد یہاں ملکات وضیعہ ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس دھوکہ باز دشمن سے بڑا دشمن کون ہوگا جس سے جنگ کی جائے۔ یہ وہ دشمن ہے جو نصیحت کی آستین میں بے وفائی کا خنجر چھپائے ہوتا ہے۔ جو تمناؤں کی مٹھاس میں قاتل زہر گھول دیتا ہے یہ وہ داخلی دشمن ہے جس سے دفاع ہر حال میں واجب ہے۔